کرنیں	مدیر کے قلم سے

درس گاہ تعلیم و تربیت

شاعر مشرق علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا، دیوبندی کیا چیز ہے، کوئی مذہب یا فرقہ؟ کہنے لگے، نہ مذہب ہے، نہ فرقہ، بلکہ ہر معقول پسند دین دار کا نام دیوبندی ہے...... گذشتہ ڈیڑھ صدی میں اللہ جل شانہ نے علمائے دیوبندؒ سے دین کے مختلف شعبوں میں جو کام لیا، دنیا کے کسی اور خطہ میں اس کی نظیر نہیں، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، تحقیق و تدریس اور اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو باقی رکھنے کے لیے جو عظیم جد و جہد علمائے دیوبند نے کی ہے اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کا جو حق انھوں نے ادا کیا ہے، وہ ہند کی اسلامی تاریخ کا ایک ایسا زریں باب ہے جس سے کوئی مورخ صرف نظر نہیں کرسکتا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلمانوں کے وجود کی بقاء کی غرض سے اللہ کے چند مخلص اور مقبول بندوں نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں دار العلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کو رکھی محمود نام کے ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہونے والے اس ادارے کو اللہ نے بار آور بنایا اور اس کے برگ و ثمر سے آج تک مسلمانانِ برصغیر فیض یاب ہو رہے ہیں، وہاں سے فیض اٹھانے والے علماء نے قریہ قریہ، بستی بستی مدارس کھولے، قرآنی مکاتب شروع کیے، مسجدوں کو آباد کیا، فتنوں کا تعاقب کیا، قرآن و سنت کی صدا لگائی اور بت کدۂ ہند کے سناٹوں کو توحید کی دلکش آذانوں سے گرمایا۔

تحریک خلافت کے سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے درمیان رائے کا اختلاف تھا، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الہند کے مایہ ناز شاگرد ہیں، وہ اس تحریک کو مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں سمجھتے تھے، ایک مرتبہ تحریک کے بعض کارکنوں نے تھانہ بھون میں حضرت شیخ الہند کی صدارت میں جلسہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت نے اس تجویز کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، اگر میں تھانہ بھون میں جلسہ کروں گا تو مولوی اشرف علی کے لیے بڑی تکلیف کا سامان ہوگا، ان کو یہ بھی گوارا نہ ہوگا کہ میں تھانہ بھون میں کہیں خطاب کروں اور وہ اس میں موجود نہ ہوں اور اگر شرکت کریں گے تو یہ ان کے دیانت دارانہ موقف کے خلاف ہوگا، اس لیے میں وہاں نہیں جاؤں گا" چنانچہ ہندوستان کے دوسرے خطوں میں حضرت شیخ الہند تشریف لے گئے لیکن تھانہ بھون نہیں گئے۔

حضرت شیخ الہند کے شاگرد حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں تھے اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، ان کا دیوبند کے ایک دوسرے مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی امور میں شدید اختلاف تھا، اس کا اظہار بھی فرماتے لیکن ان کی شان میں خود تو کیا، کسی اور کو بھی نامناسب کلمہ کہتے ہوئے برداشت نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ انہی بزرگ نے نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا، دو دن نماز پڑھائی لیکن بارش نہیں ہوئی، تیسرے دن جب وہ نماز کے لیے آگے بڑھے تو میاں صاحب نے ان سے کہا کہ اجازت ہو تو آج نماز میں پڑھادوں؟ انھوں نے اجازت دی اور تیسرے دن میاں صاحب نے نماز پڑھائی، بارش آج بھی نہیں ہوئی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے خلاف عادت نماز پڑھانے پر ان سے استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے، آج آپ کیوں آگے بڑھے؟ فرمانے لگے، میرا مقصد یہ تھا کہ جو عالم دین دو دن سے نماز پڑھا رہے ہیں، لوگوں کو ان کے متعلق بدگمانی نہ ہو، کیونکہ آج بھی نماز وہ پڑھاتے اور بارش نہ ہوتی تو بعض لوگوں کے دلوں میں شاید ان کے بارے میں بدظنی پیدا ہوجاتی، میں آگے بڑھا، تاکہ یہ بدگمانی تنہا ایک عالم کے متعلق نہ ہو"۔

جس درس گاہ کے تربیت پانے والوں کے اخلاق و تقویٰ اور حدود کی رعایت کا یہ عالم ہو، اس سے فیض و برکت کے چشمے کیوں کر نہیں پھوٹیں گے!